Majallah Tahqiq
Research Journal of
the Faculty of Oriental Learning
Vol: 31, Sr.No.81, 2010, pp 77 - 106

مجلۂ تحقیق
مجلۂ کلیہ علوم شرقیہ
جلد ۳۱، اکتوبر۔ دسمبر ۲۰۱۰ء، شمارہ ۸۱

نسخ فی القرآن پر مستشرقین کے اعتراضات کا جائزہ

ڈاکٹر حافظ محمود اختر☆

Abstract:

In this article the objections of Orientalists about the system of abrogation in the Holy Quran have been discussed. The orientalists found some verses of the Holy Quran that had been abrogated by Allah (Subhanahu Wa Ta'aala), but they considered the system of abrogation in Holy Quran as a fault in the text of the Holy Quran. However all the Muslim scholars believe that the system of abrogation as a very basic method to make appropriate background for legislation as the Quran says: Whenever We abrogate a verse or cause it to be forgotten, We bring one better than it or one equal to it. (al-Baqarah:106) Moreover the abrogation is the act of Allah (Subhanahu Wa Ta'aala) and after the "Last Ardha" that had accrued between The Prophet (PBUH) and the Gabriel (A.S), no verse from the text of the Holy Quran has been abrogated.

مستشرقین نے کچھ عبارات پیش کی ہیں جو ان کے خیال کے مطابق کبھی قرآن مجید کا حصہ تھیں، لیکن اب یہ موجودہ قرآن مجید میں شامل نہیں ہیں، اس طرح وہ موقف اختیار کرتے ہیں کہ موجودہ قرآن مجید مکمل نہیں ہے۔ ان کی بیان کردہ ان عبارات کو جنہیں وہ قرآن کا حصہ سمجھتے ہیں اور اب قرآن میں موجود نہیں ہیں، دو عنوانات کے تحت تقسیم کیا جا سکتا ہے:

☆ ڈین، کلیہ علوم شرقیہ، جامعہ پنجاب، لاہور

نمبر۱۔ بعض عبارات وہ ہیں جن کا تعلق ان آیات سے ہے جو پہلے قرآن مجید کا حصہ تھیں لیکن بعد میں منسوخ ہو گئیں۔

نمبر۲۔ دوسری قسم کی عبارات وہ ہیں جو صحابہ کرامؓ نے اپنے ذاتی نسخوں میں قرآن کے کسی لفظ کی مختصر ایک یا دو لفظی تشریح کے طور پر لکھ رکھی تھیں۔ چونکہ یہ تشریحی الفاظ کسی صحابی نے اپنے ذاتی نسخہ میں درج کر رکھے تھے اور یہ الفاظ قرآن کا حصہ نہیں تھے اس لیے عہد صدیق ؓ میں قرآن کا معیاری نسخہ تیار ہوتے وقت قرآن میں شامل نہ کیے گئے۔ مستشرقین کو جب صحابہؓ کے ذاتی مصاحف کی خبر ملی تو انہوں نے صحابہ کے ذاتی توضیحی نوٹس کو بھی قرآن کا حصہ سمجھ لیا۔ حالانکہ ان میں سے پہلی قسم کو ''منسوخ آیات'' کے عنوان کے تحت رکھا جاتا ہے اور دوسری قسم کو ''قراءاتِ مدرجہ'' کے عنوان کے تحت رکھا جاتا ہے۔ اس مضمون میں ان دونوں میں سے پہلی قسم جن کا تعلق نسخ سے ہے، صرف اُن روایات کا تحقیقی جائزہ پیش کیا جائے گا۔

نسخ کے حوالہ سے ہر اہل علم سمجھتا ہے کہ نسخ اللہ تعالیٰ کا فعل ہے؛ کیونکہ قرآن مجید کے تمام احکام ایک ہی دفعہ نازل نہیں ہوگئے بلکہ نفاذِ احکام میں مہلت پسندی اور تدریج کو ملحوظ رکھا گیا۔ کیونکہ آہستگی، تدریج اور مہلت کے ساتھ جو احکام نافذ کئے جائیں ان پر عمل کرنا آسان بھی ہوتا ہے اور دائمی بھی۔ اللہ تعالیٰ نے شریعت کی تکمیل کا مرحلہ آنے تک مختلف اوقات میں اس وقت کی مناسبت اور ضرورت کے مطابق احکام نازل فرمائے جب وہ وقت گزر گیا تو ارتقائی مرحلے کا اگلا حکم جاری فرما دیا۔ اس طریقے سے کئی ایک ایسے احکام وقت گزرنے کے ساتھ ساتھ ختم ہوتے رہے جن پر عمل کرنیکی اب ضرورت نہ تھی۔ احکام کے بدلنے اور نئے احکام نافذ کرنے کو ایک طبیب اور مریض کی مثال سے بہتر طور پر سمجھا جا سکتا ہے کہ مریض کی بیماری کی مناسبت سے طبیب ایک دوائی تجویز کرتا ہے لیکن جب مریض بہتر ہو جاتا ہے تو اب اس کی حالت کے مناسب حال نئی دوائی تجویز کر دی جاتی ہے۔ قرآن مجید میں نسخ کے بارے میں واضح آیات موجود ہیں:

﴿مَانَنسَخْ مِنْ اٰيَةٍ اَوْنُنْسِهَا نَاْتِ بِخَيْرٍ مِّنْهَآاَوْمِثْلِهَا﴾(۱)

''جو آیت ہم منسوخ کرتے ہیں یا بھلا دیتے ہیں تو اس کی جگہ ویسی ہی یا اس سے بہتر آیت اتارتے ہیں۔''

ایک اور مقام پر فرمایا:

﴿وَاِذَابَدَّلْنَا اٰيَةً مَّكَانَ اٰيَةٍ وَّاللّٰهُ اَعْلَمُ بِمَا يُنَزِّلُ قَالُوْا اِنَّمَا اَنْتَ مُفْتَرٍ بَلْ اَكْثَرُهُمْ لَا يَعْلَمُوْنَ﴾(۲)

''جب ہم ایک آیت کی جگہ دوسری آیت بدل کر لاتے ہیں تو اللہ کو بہتر علم ہے کہ اس نے کیا نازل کرنا ہے۔ یہ کافر لوگ آپؐ سے کہتے ہیں کہ یہ قرآن مجید آپؐ نے خود گھڑ لیا ہے جبکہ حقیقت یہ ہے کہ یہ لوگ (آیات کے بدلے جانے کی حقیقت ومقصد کو) جانتے ہی نہیں ہیں۔''

ایک مقام پر قرآن مجید کہتا ہے: ﴿سَنُقْرِئُكَ فَلَا تَنْسٰٓى اِلَّا مَاشَآءَ اللّٰهُ﴾(۳)

''ہم آپ کو پڑھائیں گے کہ آپ بھولیں گے نہیں مگر جو اللہ چاہے۔'' گویا نسخ مکمل طور پر اللہ تعالیٰ کا اختیار ہے۔

نسخ کا لغوی معنیٰ ومفہوم:

لغت کے اعتبار سے کسی چیز کے ازالہ یا مٹا دینے کو نسخ کہا جاتا ہے۔ عربی محاورہ ہے:'' نسخت الريح آثار القوم '' یعنی ہوا نے قوم کے نشانات مٹا دیے۔ اسی طرح:'' نسخ الكتاب الىٰ كتاب اور نسختُ الكتابَ '' کہا جاتا ہے جبکہ اسے نقل کیا جائے۔ ازالہ کے معنوں میں یوں کہا جاتا ہے:'' نسختِ الشمسُ الظلَّ '' سورج نے سایہ کو مٹا دیا۔ اور نَسَخَ الشيبُ الشَّبابَ اىْ اَزَالَهٗ . یعنی بڑھاپے نے جوانی کو زائل کر دیا۔(۴)

ازالہ کے معنوں میں قرآن مجید میں ہے:

﴿فَيَنْسَخُ اللّٰهُ مَايُلْقِى الشَّيْطٰنُ ثُمَّ يُحْكِمُ اللّٰهُ اٰيٰتِهٖ﴾ (۵)

''پھر جو کچھ شیطان (وحی کے ساتھ) ملا دیتا ہے اسے اللہ مٹا دیتا ہے۔''

نسخ کی اصطلاحی تعریف:

۱۔ ''کسی حکم شرعی کو رفع کر کے اس کی جگہ دوسرا حکم مقرر کرنا''۔(۶)

ناسخ و منسوخ کے علم کو نہ صرف مسلمانوں نے تسلیم کیا بلکہ اس علم میں لاتعداد کتب لکھیں۔ ان کتب میں امام ابو عبید القاسم بن سلامؒ، امام ابو داؤد سجستانیؒ، ابو جعفر النحاس، ابن الانباری، مکی بن ابی طالبؒ، ابو الفرج ابن الجوزیؒ۔ ابو بکر ابن العربیؒ۔ وغیرہ کی کتب شامل ہیں۔

مستشرقین نے نسخ کی بنیاد پر قرآن مجید پر اعتراضات کیے ہیں۔ اس حوالے سے یہ بات واضح کرنا ضروری ہے کہ سابقہ انبیاء کی شریعتوں میں ناسخ و منسوخ کا سلسلہ جاری رہا ہے مثلاً نماز کسی پیغمبر کے زمانے میں صرف تسبیح و تہلیل اور دعاء تھی تو کسی دوسرے پیغمبر کے عہد میں اس میں رکوع و سجود اور بعض دیگر ارکان کا اضافہ کر دیا گیا۔ سابقہ انبیاء کی شریعتوں میں نماز کی دو رکعتیں مشروع رہی ہیں جبکہ ہماری شریعت میں اس سلسلے میں نماز پنجگانہ لازم کی گئی۔ تورات اور انجیل دونوں سے فروعی احکام اور عملی جزئیات میں نسخ کے وجود کا ثبوت ملتا ہے اس طرح مستشرقین کیلئے ناسخ و منسوخ کی اصطلاح یا یہ عمل کوئی اجنبی تصور نہیں ہونا چاہیئے۔ وہ جن مذاہب کے پیروکار ہیں ان میں یہ تصور موجود رہا ہے اور عقل بھی اس کے وجود کی نفی نہیں کرتی۔ لیکن مستشرقین نے ان تمام باتوں کو بالائے طاق رکھتے ہوئے کہ نسخ کی حقیقت کیا ہے، قرآن مجید کے متن کی صحت پر اندھا دھند اعتراضات کی بوچھاڑ کی ہے۔

مسلمانوں کے نزدیک قرآن مجید میں ناسخ و منسوخ کا عمل جاری رہا ہے اور متعدد آیات ناسخ یا منسوخ کے زمرے میں آتی ہیں۔ لیکن قرآن مجید کے موجودہ متن میں وہی کچھ شامل ہے جو ناسخ و منسوخ کے عمل کے بعد حتمی طور پر قرآن مجید کا متن ٹھہرا ہے۔ نسخ فی القرآن کوئی ایسی چیز نہیں کہ اس کی بنیاد پر قرآن مجید کی صحت پر اعتراض کیا جاسکے یا قرآن مجید میں کوئی عیب نکالا جائے۔ گویا مستشرقین کا نسخ فی القرآن پر اعتراض تحصیل حاصل ہی ہے جب مسلمان خود کہتے ہیں کہ ہماری کتاب میں نسخ کا عمل ہوتا رہا ہے۔ البتہ اس سے جو نتائج ان لوگوں نے اخذ کیئے وہ ہمارے نتائج سے مختلف ہیں۔ مستشرقین اس سے یہ نتیجہ نکالتے ہیں کہ قرآن مجید کے بہت سے حصے ضائع ہو چکے ہیں جن کا ملنا اب بالکل ناممکن ہے۔

مسلمانوں کا نقطہ نگاہ یہ ہے کہ عرضہ اخیرہ کے بعد قرآن مجید میں نسخ کا کوئی عمل نہیں ہوا۔ جو کچھ اس سلسلے میں ہونا تھا وہ عرضہ اخیرہ سے پہلے پہلے ہو چکا ہے۔ اب موجودہ متن ہی حقیقی قرآن مجید ہے جو کچھ منسوخ ہو چکا وہ قرآن مجید نہیں ہے اور اس سے قبل جو ناسخ و منسوخ کا عمل جاری تھا وہ بھی خدا تعالیٰ کی حکمت بالغہ کا تقاضا تھا اور عقل اس بات کی نفی نہیں کرتی کہ ایک حکیم اور طبیب مریض کے حالات کی موافقت سے مریض کیلئے وقتاً فوقتاً دوائی تبدیل کرتا رہے۔

یہ بات مسلّم ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر جب کوئی آیت نازل ہوتی تھی تو آپ فوراً کسی کاتب وحی کو بلوا کر لکھوا دیتے تھے۔ اس طرح تمام نازل شدہ وحی بے کم وکاست آپ کی زندگی میں ہی متفرق چیزوں پر لکھی جا چکی تھی۔ حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کے زمانے میں قرآن کے تمام متفرق اجزاء اس طرح اکٹھے کر لیے گئے کہ ایک آیت تو کیا ایک حرف کی بھی فروگذاشت نہیں ہوئی۔ حضرت ابوبکرؓ کے عہد میں ان کے حکم سے حضرت زید بن ثابت نے قرآن کو جس احتیاط سے جمع کیا تھا اس کے متعلق الاتقان کی اٹھارویں نوع میں تفصیل موجود ہے۔ ان سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ زید بن ثابتؓ قرآن کو محض لکھا ہوا پانے ہی پر اکتفا نہیں کرتے تھے بلکہ اس کے علاوہ خود زیدؓ، قرآن کے حافظ تھے۔ غرضیکہ قرآن کو مکتوب پانے اور خود حافظ ہونے پر بھی ان کا دو شہادتیں بہم پہنچا کر اسے مصحف میں نقل کرنا حد درجے کی احتیاط تھی"۔

جب حضرت عثمانؓ رضی اللہ عنہ نے قرآن کو صحیفوں سے مصحفوں میں نقل کروانا شروع کیا تو بعض صحابہؓ نے حضرت عثمانؓ کو قرآن میں آیتوں کے درج کرنے کی نسبت توجہ دلائی تو آپ نے صاف انکار کر دیا۔ مثلاً بخاری (باب اذا طلقتم النساء) میں حضرت ابن زبیرؓ سے مروی ہے وہ کہتے ہیں کہ میں نے عثمان بن عفان سے کہا کہ وَالذین یتوفون منکم ویذرون ازواجا (البقرۃ: ۲۳۴) جسے دوسری آیت (البقرۃ: ۲۴۰) نے منسوخ کر دیا ہے نہ لکھیں یا اس کو چھوڑ دیں تو عثمان نے فرمایا اے میرے بھتیجے میں قرآن کی کسی چیز کو اس کی جگہ سے نہیں بدلوں گا"۔

(بخاری باب من قال لم یترک النبی الامابین الد فتین) میں عبدالعزیز بن رفیعؒ سے مروی ہے وہ کہتے ہیں کہ "میں اور شداد بن معقلؓ حضرت ابن عباسؓ کے پاس گئے۔ شداد نے ان سے کہا کہ آیا رسول ﷺ نے کچھ چھوڑا تو ابن عباس نے کہا کچھ نہیں چھوڑا مگر جو بین الدفتین

ہے (یعنی دو گتوں کے درمیان جو قرآن ہے وہی آپ نے چھوڑا ہے)''۔ عبد العزیز بن رفیع کہتے ہیں ''ہم محمد بن حنفیہؒ کے پاس گئے اور ان سے بھی سوال کیا تو انھوں نے بھی کہا نہیں چھوڑا مگر دو دگتوں کے درمیان''۔ قاضی ابوبکرؒ کتاب الانتصار میں لکھتے ہیں: ''ہم اس بات کا یقین کرتے ہیں کہ وہ تمام قرآن جس کو اللہ تعالیٰ نے نازل فرمایا اور اس کے لکھے جانے کا حکم دیا اس کو منسوخ نہیں کیا اور نہ اس کے نزول کے بعد اس کی تلاوت کو رفع کیا'' وہ یہی قرآن ہے جو مابین الدفتین پایا جاتا ہے۔ اور جس کو مصحفِ عثمانی حاوی ہے اس قرآن میں نہ کسی طرح کی کمی ہے اور نہ کوئی زیادتی''۔(۷)

جن روایات کو بنیاد بنا کر مستشرقین نے قرآن مجید پر اعتراضات کئے ہیں ان میں سے ایک مسلم شریف کی روایت:

''وَحَدَّثَنِي زُهَيْرُ بْنُ حَرْبٍ وَهَارُونُ بْنُ عَبْدِ اللَّهِ قَالَا حَدَّثَنَا حَجَّاجُ بْنُ مُحَمَّدٍ عَنْ ابْنِ جُرَيْجٍ قَالَ سَمِعْتُ عَطَاءً يَقُولُ سَمِعْتُ ابْنَ عَبَّاسٍ يَقُولُ: سَمِعْتُ رَسُولَ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَقُولُ لَوْ أَنَّ لِابْنِ آدَمَ مِلْءَ وَادٍ مَالًا لَأَحَبَّ أَنْ يَكُونَ إِلَيْهِ مِثْلُهُ وَلَا يَمْلَأُ نَفْسَ ابْنِ آدَمَ إِلَّا التُّرَابُ وَاللَّهُ يَتُوبُ عَلَى مَنْ تَابَ قَالَ ابْنُ عَبَّاسٍ فَلَا أَدْرِي أَمِنْ الْقُرْآنِ هُوَ أَمْ لَا وَفِي رِوَايَةِ زُهَيْرٍ قَالَ فَلَا أَدْرِي أَمِنْ الْقُرْآنِ لَمْ يَذْكُرْ ابْنَ عَبَّاسٍ.(۸)

حضرت عبداللہ بن عباس بیان کرتے ہیں کہ رسول ﷺ نے فرمایا اگر ابن آدم کے پاس مال سے بھری ہوئی ایک وادی ہو تو وہ چاہے گا کہ اس جیسی ایک اور وادی ہو اور ابن آدم کے نفس کو مٹی کے سوا اور کوئی چیز نہیں بھر سکتی اور جو توبہ کر لے اللہ اس کی توبہ قبول کرتا ہے۔ حضرت ابن عباس کہتے ہیں کہ یہ بات قرآن سے ہے یا نہیں۔ اور زُہیر سے مروی ہے کہ ابن عباس نے یہ الفاظ نہیں کہے کہ میں نہیں جانتا کہ یہ الفاظ قرآن کے ہیں یا نہیں؟

ذیل میں اس روایت کا جائزہ پیش کیا جاتا ہے:

☆ مسلم شریف کی اس روایت کے اندر بھی ایسی شہادت موجود ہے جو اس کو باطل قرار دیتی ہے۔

☆ اس فقرے کی عبارت اس طرح کی ہے کہ کوئی شخص جو قرآن مجید کو پڑھا ہوا ہے وہ اسے قرآن کا جزو قرار نہیں دے سکتا۔

مسلم کی ایک اور روایت یوں ہے:

حَدَّثَنِی سُوَیْدُ بْنُ سَعِیدٍ حَدَّثَنَا عَلِیُّ بْنُ مُسْهِرٍ عَنْ دَاوُدَ عَنْ أَبِی حَرْبِ بْنِ أَبِی الْأَسْوَدِ عَنْ أَبِیهِ قَالَ بَعَثَ أَبُو مُوسَى الْأَشْعَرِیُّ إِلَى قُرَّاءِ أَهْلِ الْبَصْرَةِ فَدَخَلَ عَلَیْهِ ثَلَاثُ مِائَةِ رَجُلٍ قَدْ قَرَءُوا الْقُرْآنَ فَقَالَ أَنْتُمْ خِیَارُ أَهْلِ الْبَصْرَةِ وَقُرَّاؤُهُمْ فَاتْلُوهُ وَلَا یَطُولَنَّ عَلَیْكُمْ الْأَمَدُ فَتَقْسُوَ قُلُوبُكُمْ كَمَا قَسَتْ قُلُوبُ مَنْ كَانَ قَبْلَكُمْ وَإِنَّا كُنَّا نَقْرَأُ سُورَةً كُنَّا نُشَبِّهُهَا فِی الطُّولِ وَالشِّدَّةِ بِبَرَاءَةَ فَأُنْسِیتُهَا غَیْرَ أَنِّی قَدْ حَفِظْتُ مِنْهَا لَوْ كَانَ لِابْنِ آدَمَ وَادِیَانِ مِنْ مَالٍ لَابْتَغَى وَادِیًا ثَالِثًا وَلَا یَمْلَأُ جَوْفَ ابْنِ آدَمَ إِلَّا التُّرَابُ وَكُنَّا نَقْرَأُ سُورَةً كُنَّا نُشَبِّهُهَا بِإِحْدَى الْمُسَبِّحَاتِ فَأُنْسِیتُهَا غَیْرَ أَنِّی حَفِظْتُ مِنْهَا یَا أَیُّهَا الَّذِینَ آمَنُوا لِمَ تَقُولُونَ مَا لَا تَفْعَلُونَ فَتُكْتَبُ شَهَادَةً فِی أَعْنَاقِكُمْ فَتُسْأَلُونَ عَنْهَا یَوْمَ الْقِیَامَةِ. (۹)

سوید بن سعید، علی بن مسہر، حضرت ابوالاسود رضی اللہ تعالیٰ عنہ اپنے والد سے روایت کرتے ہیں کہ ابوموسیٰ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو اہل بصرہ کے قراء کی طرف بھیجا گیا آپ ان کے پاس پہنچے تو تین سو فارسیوں نے قرآن پڑھا تو آپ نے فرمایا کہ تم اہل بصرہ کے سب لوگوں سے افضل ہو اور ان کے قاری ہو تو تم ان کو قرآن پڑھاؤ اور بہت مدت تک تم تلاوت قرآن پڑھاؤ اور بہت مدت تک تم تلاوت قرآن سے غافل نہ ہوا کرو ورنہ تمہارے دل اسی طرح سخت ہو جائیں گے جس طرح تم سے پہلے لوگوں کے ہو گئے تھے اور ہم ایک سورت پڑھتے تھے جو لمبائی میں اور سخت وعیدات میں سورۃ براءت کے برابر تھی پھر میں سوائے اس آیت کے سب بھول گیا (لَوْ كَانَ لِابْنِ آدَمَ) کہ اگر ابن آدم کے لئے مال کے دو میدان ہوں تو بھی وہ تیسرا میدان طلب کرے گا اور ابن آدم کا پیٹ سوائے مٹی کے کوئی نہیں بھر سکتا اور ہم ایک سورۃ اور پڑھتے تھے جس کو ہم مسبحات

میں سے ایک سورت کے برابر جانتے تھے میں اس کو بھول گیا سوائے اس کے کہ اس میں سے میں نے (يٰأَيُّهَا الَّذِينَ اٰمَنُوا لِمَ تَقُولُونَ مَا لَا تَفْعَلُونَ. (۱۰) کو یاد رکھا ہے یعنی اے ایمان والوں وہ بات کیوں کہتے ہو جو کرتے نہیں تو تمہاری گردنوں میں شہادت کے طور پر لکھ دی جاتی ہے قیامت کے دن تم سے اس کے متعلق پوچھا جائے گا۔

اس خطبے کے الفاظ صاف طور پر بتلا رہے ہیں کہ اس میں ایسی عبارات کا ذکر ہے جو لوگوں کے ذہنوں سے اس لئے محو کر دی گئیں کہ اللہ تعالیٰ نے انہیں منسوخ فرما دیا تھا، کیونکہ صرف وہی آیات بھلائی جاتی ہیں جو منسوخ ہو جائیں۔

☆ وہ الفاظ جو ابوموسیٰ اشعریؓ کی طرف منسوب کئے گئے ہیں اس روایت کے جھوٹا ہونے کی شہادت دیتے ہیں۔ ابوموسیٰ اشعریؓ کہتے ہیں: ''کنا نقرأ سورة'' یعنی ہم ایک سورت پڑھا کرتے تھے اس سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ آیت یا سورۃ تمام صحابہؓ کو یاد ہوگی۔ یہ بات تو تسلیم نہیں کی جاسکتی کہ کوئی آیت یا سورۃ قرآن کا حصہ ہو اور وہ صرف ابوموسیٰ اشعریؓ ہی کو یاد ہو۔ یہ سورۃ یقیناً صحابہؓ میں معروف ہوگی۔ اب اگر یہ فرض کر لیا جائے کہ ابوموسیٰ اشعری کو ساری سورت بھول گئی اور صرف ایک آیت یاد رہی تو یہ کیوں کر ممکن ہوسکتا ہے کہ ان کی طرح تمام صحابہؓ ہی کو وہ سورۃ بھول گئی۔ کسی دوسرے صحابیؓ نے نہ اس سورت کا نام لیا ہے اور نہ ہی اس کی موجودگی کا ذکر کیا ہے۔ لامحالہ ہمیں یہی ماننا پڑے گا کہ قرآن نے اسی کی نشان دہی سورۃ الاعلیٰ کی آیت نمبر ۶ میں کی ہے کہ سنقرئک فلا تنسیٰ الا ماشاء اللّٰہ یعنی ہم آپ کو پڑھائیں گے کہ آپ کو یہ بھولے گا نہیں مگر جسے اللہ بھلانا چاہے۔

☆ جب عہد صدیق میں زید ابن ثابتؓ کی زیر نگرانی تدوین قرآن کا کام ہوا تو اس وقت اعلان عام کیا گیا کہ جس جس کے پاس قرآن کا کوئی حصہ لکھا ہوا موجود ہو، وہ مسجد نبویؐ میں اسے ''تدوین کمیٹی'' کے سامنے پیش کرے۔ (۱۱) اس وقت ابوموسیٰ اشعریؓ نے اور نہ ہی کسی اور صحابیؓ نے اس سورت کا ذکر کیا۔ اسی طرح حضرت عثمانؓ کے عہد میں بھی ہوا۔ حضرت ابوبکر صدیقؓ کے عہد سے لے کر جب قرآن مجید جمع کیا گیا کسی قاری نے، اس کے باوجود کہ صحابہؓ میں بہت سے لوگ حفاظ قرآن تھے، کبھی بھی اس بات کا تذکرہ نہیں کیا کہ جو قرآن حضرت ابوبکر صدیقؓ نے جمع

کروایا ہے اس میں اتنی لمبی سورت کا نام ونشان تک نہیں پایا گیا۔ حضرت عمرؓ سے بھی اسی طرح کی روایت ہے کہ انہوں نے ایک آیت تدوین کمیٹی کے سامنے پیش کی تھی۔ اگر ابوموسیٰ بھی اس عبارت کو اس کو قرآن کا حصہ سمجھتے ہوتے تو وہ بھی اس موقع پر پیش کر دیتے۔ اگر یہ فرض کرلیا جائے کہ یہ سورت، عہد صدیقیؓ میں تدوین قرآن کی کاروائی سے قبل ہی صحابہؓ کے حافظوں سے محو ہو چکی تھی اور جن جن جگہوں پر یہ سورۃ لکھی ہوئی تھی وہ تحریرات بھی تلف ہو چکی تھیں تو کم از کم اتنا تو ضرور ہوتا کہ یہ چند الفاظ جو ابوموسیٰ اشعریؓ کو یاد رہ چکے تھے یعنی **لو کان لابن آدم...الخ** تو کم از کم قرآن میں شامل کروا دیتے۔ ابوموسیٰ اشعریؓ، صحابہؓ کو یاد دلاتے کہ ہم فلاں سورت پڑھا کرتے تھے۔ اس کے الفاظ یہ تھے اور ہم سب کو باقی سورت بھول چکی ہے اور ایک ٹکڑا مجھے یاد رہ گیا ہے۔ حضرت ابوموسیٰ اشعری تو صحابہؓ کی امامت بھی کرواتے رہے ہیں۔

☆ یہ بات بذات خود بڑی دلچسپ ہے کہ ابن مسعودؓ اور ابی ابن کعبؓ کے بارے میں جو کہا جاتا ہے کہ ان کے پاس بھی الگ نسخے موجود تھے، ان میں سے بھی کسی ایک میں اس سورت کا نام ونشان نہیں ملتا۔

☆ پھر جب ابوموسیٰ اشعریؓ نے یہ آیت پیش کی تو اس وقت بھی ہزاروں صحابہؓ میں سے کسی نے اس کی تائید نہیں کی۔

وہ روایت جس میں ابن آدم کے بارے میں ذکر ہوا ہے وہ دراصل حضرت ابوموسیٰ اشعریؓ کا ایک خطبہ ہے جو انہوں قراء بصرہ کے سامنے ارشاد فرمایا تھا اس خطبے کا خلاصہ یہ ہے کہ وہ (ابوموسیٰ) اور دیگر صحابہؓ دو سورتیں پڑھا کرتے تھے جس میں سے ایک فقرہ ہی انہیں یاد رہ گیا ہے۔ پہلی سورت کے فقرے کا مضمون یہ تھا کہ اگر ابن آدم کیلئے مال کی دو وادیاں ہوں تو وہ تیسری وادی کی خواہش کرتا ہے۔

مسلم کی مذکورہ روایت کے بارے میں خود مسلم شریف میں جو اندرونی اور بیرونی شہادت ملتی ہے وہ بھی اسے مردود ٹھہراتی ہے۔ بیرونی شہادت کیلئے سب سے پہلے اس کے سلسلہ روایت کو دیکھنا ہوگا۔ روایت میں سب سے پہلے سوید بن سعید ہیں۔ اس راوی کے بارے میں علامہ ذہبی میزان الاعتدال میں لکھتے ہیں:

بعض لوگوں نے جن میں مسلم بھی شامل ہیں اس کی روایات کو لیا ہے۔لیکن اکثر لوگوں نے اس کی روایت کو مردود ٹھہرایا ہے۔ اور اس بات پر لوگوں کا اتفاق ہے کہ وہ بہت بوڑھا ہوگیا تھا اور آخر کار اندھا ہوگیا اس وقت وہ بعض ایسی روایات بیان کرنے لگا جو اس کی احادیث میں شامل نہ تھیں۔اسی راوی کے بارے میں امام ترمذی، امام بخاری کا قول روایت فرماتے ہیں کہ "انه ضعیف جدا" یعنی وہ بہت ضعیف راوی ہے۔ امام بخاری مزید فرماتے ہیں حدیثه، منکرا ۔امام نسائی اسے ضعیف قرار دیتے ہیں۔

میزان الاعتدال میں علامہ ذہبیؒ نے اس کے بارے میں ایک واقعہ نقل کیا ہے جس سے معلوم ہوتا ہے کہ اس کا میلان شیعہ مذہب کی طرف تھا۔ واقعہ یوں ہے کہ اس کے پاس ایک شخص کتاب الفضائل لایا تو اس نے حضرت علیؓ کو سب سے اول اور حضرت ابوبکر صدیقؓ کو سب سے آخر میں کردیا۔

ابن حبان فرماتے ہیں کہ وہ متہم بالزندقہ ہے۔ امام ترمذی امام بخاری سے نقل کرتے ہیں: إنَّهٗ ضَعیفٌ جِدًّا . مرّہ اس کے بارے میں فرماتے ہیں کہ وہ ضعیف ہے۔بعض لوگوں نے اسے "متروك الحديث" قرار دیا ہے جبکہ بہت سے لوگوں نے اسے کذاب کہا ہے۔(۱۲)

جب امام مسلم کے اس ایک راوی کے بارے میں یہ واضح ہوگیا کہ وہ متروک الحدیث ،متہم بالزندقہ اور متہم بالکذب ہے تو پھر نہ تو اس راوی کی بیان کردہ روایت کا کوئی اعتبار ہوگا اور نہ ہی سند کے باقی راویوں کے پرکھنے کی ضرورت ہے۔ایک اور قسم کی خارجی شہادت جو خود مسلم سے ملتی ہے جس سے زیر بحث حدیث کی کوئی حیثیت باقی نہیں رہ جاتی۔اس حدیث سے پہلے خود امام مسلم نے اس مضمون کی چار اور احادیث نقل کی ہیں۔ان میں فرق صرف اس قدر ہے کہ سوید کی روایت سے جو الفاظ ابوموسیٰ اشعریؓ کی طرف منسوب کئے گئے ہیں ان کے متعلق یہ ظاہر کیا گیا ہے کہ وہ قرآن مجید کی سورتوں کے ٹکڑے ہیں۔لیکن ان چاروں احادیث میں اس بات کا نشان تک نہیں ملتا۔ چنانچہ مسلم شریف کتاب الزکوۃ باب "لو ان لابن ادم وادیین لابتغی ثالثا" میں سب سے پہلے یہ حدیث بیان کی گئی ہے:

وَحَدَّثَنَا يَحْيَى بْنُ يَحْيٰى وَسَعِيدُ بْنُ مَنْصُورٍ وَقُتَيْبَةُ بْنُ سَعِيدٍ قَالَ يَحْيٰى : أَخْبَرَنَا وَقَالَ الْاٰخَرَانِ : حَدَّثَنَا أَبُو عَوَانَةَ عَنْ قَتَادَةَ ، عَنْ أَنَسٍ قَالَ:قَالَ رَسُولُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ : لَوْ كَانَ لِابْنِ اٰدَمَ وَادِيَانِ مِنْ مَالٍ لَابْتَغٰى وَادِيًا ثَالِثًا وَلَا يَمْلَأُ جَوْفَ ابْنِ آدَمَ إِلَّا التُّرَابُ وَيَتُوبُ اللّٰهُ عَلَى مَنْ تَابَ. (۱۳)

ترجمہ: حضرت انسؓ روایت کرتے ہیں حضورؐ نے فرمایا کہ اگر بنی آدم کے پاس مال و دولت کی دووادیاں ہوں تو وہ ایک تیسری وادی کی خواہش کرتا ہے اوراس کے پیٹ کو قبر کی مٹی کے علاوہ کوئی چیز نہیں بھرتی ۔اور توبہ اس کی ہے جوتوبہ کرے۔

یہاں صاف نظر آرہا ہے کہ یہ الفاظ حضورؐ کے ہیں نہ کہ قرآن مجید کے گویا امام مسلم کی دونوں روایات میں تصادم ہے ''یعنی سوید'' کی روایت میں ان الفاظ کو قرآن کی بھولی ہوئی آیت کا حصہ قرار دیا گیا ہے۔ دوسری طرف یحیی بن ،سعید بن منصور اور قتیبہ بن سعید کی متفقہ روایت ہے کہ یہ حضورؐ کے الفاظ ہیں۔

گزشتہ سطور میں ہم نے علامہ ذھبی کے الفاظ سوید کے بارے میں، نقل کئے ہیں۔علامہ ذہبی ان تینوں راویوں میں سے سعید بن منصور (۱۴)، یحیی بن یحییٰ (۱۵) دونوں کو انہوں نے ثقہ قرار دیا ہے اور قتیبہ بن سعید کے بارے میں لکھا ہے کہ ان کے بارے میں کچھ معلوم نہیں ہے۔ بہر حال اس روایت کی حالت پہلی روایت سے بہت وزنی ہے۔ کیونکہ وہاں تو صرف ایک آدمی کی روایت ہے اور وہ بھی ایسا کہ جسے اکثر محدثین نے نا قابل اعتبار ،ضعیف متروک الحدیث قرار دیا ہے بعض نے اسے زندیق اور کذاب کہا ہے اور یہاں پر کم ازکم دوراوی تو ایسے ہیں جنھیں اکثر نے ثقہ قرار دیا ہے۔ جب مؤخر الذکر روایت کی شہادت ثقہ ہے تو پہلی روایت مردود ٹھہرے گی۔

اس کے علاوہ امام مسلم نے تین مزید احادیث اسی مضمون کی بیان کی ہیں اور ان سب میں ان الفاظ ''لو کان لابن اٰدم الخ''(۱۶) کو حضورؐ کے الفاظ قرار دیا ہے۔ کسی ایک میں بھی نہیں کہا گیا کہ یہ قرآن کے الفاظ تھے۔ ان تین میں سے ایک حدیث میں ابن عباسؓ کی طرف ،

جو اس کے پہلے راوی ہیں۔ یہ الفاظ منسوب کیے گئے ہیں:

''فلا ادری أمن القرآن ہو ام لا'' (۱۷)

یعنی میں نہیں جانتا کہ یہ جزو قرآن ہیں یا نہیں۔

مگر اس کے ساتھ ہی ایک دوسری روایت میں انہی الفاظ ''فلا ادری امن القران'' کے تعلق میں ابن عباس کا ذکر نہیں۔ اس سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ یہ کسی بعد کے راوی کے الفاظ ہیں۔ اس تمام تفصیل کی روشنی میں ہم اس نتیجے تک پہنچتے ہیں کہ امام مسلمؒ نے یہ روایت بیان کر کے اس کے خلاف چار اور احادیث بیان کر دی ہیں اور ایک حد تک اس روایت کو نا قابل اعتبار قرار دے دیا ہے۔ یہ بات ظاہر ہے کہ جب ایک ہی کتاب میں ہم پانچ احادیث ایسی پاتے ہیں جن میں چار کی شہادت پانچویں کے مخالف ہے اور پھر ان چاروں احادیث کو پانچویں حدیث کی نسبت راویوں کے اعتبار سے زیادہ قابل اعتبار پاتے ہیں تو ان چار احادیث کی شہادت کے مقابلے مین پانچویں حدیث کو رد کرنا پڑے گا۔

یہ بات بھی قابل ذکر ہے کہ امام مسلم نے ان چار احادیث کو پہلے اور اس پانچویں حدیث کو جو ان کے مخالف ہے، سب سے آخر میں بیان کر کے یہ جتا دیا ہے کہ ان کے مقابل بہت کم وزن رکھتی ہے۔ یہ بات محض قیاس پر مبنی نہیں ہے بلکہ امام مسلم نے اپنی کتاب کے دیباچہ میں لکھا ہے:

''فَأَمَّا الْقِسْمُ الْأَوَّلُ فَإِنَّا نَتَوَخّٰی أَنْ نُقَدِّمَ الْأَخْبَارَ الَّتِي هِيَ أَسْلَمُ مِنَ الْعُيُوبِ مِنْ غَيْرِهَا وَأَنْقَى مِنْ أَنْ يَكُونَ نَاقِلُوهَا أَهْلَ اسْتِقَامَةٍ فِي الْحَدِيثِ وَإِتْقَانٍ لِمَا نَقَلُوا لَمْ يُوجَدْ فِي رِوَايَتِهِمْ اخْتِلَافٌ شَدِيدٌ وَلَا تَخْلِيطٌ فَاحِشٌ كَمَا قَدْ عُثِرَ فِيهِ عَلٰى كَثِيرٍ مِنَ الْمُحَدِّثِينَ وَبَانَ ذٰلِكَ فِي حَدِيثِهِمْ فَإِذَا نَحْنُ تَقَصَّيْنَا أَخْبَارَ هٰذَا الصِّنْفِ مِنَ النَّاسِ أَتْبَعْنَاهَا أَخْبَارًا يَقَعُ فِي أَسَانِيدِهَا بَعْضُ مَنْ لَيْسَ بِالْمَوْصُوفِ بِالْحِفْظِ وَالْإِتْقَانِ كَالصِّنْفِ الْمُقَدَّمِ قَبْلَهُمْ عَلٰى أَنَّهُمْ وَإِنْ كَانُوا فِيمَا وَصَفْنَا دُونَهُمْ فَإِنَّ اسْمَ السَّتْرِ وَالصِّدْقِ وَتَعَاطِي الْعِلْمِ يَشْمَلُهُمْ.'' (۱۸)

یعنی جن احادیث کو انہوں نے زیادہ قابل اعتبار سمجھا ہے ان کا ذکر بھی پہلے ہی کیا ہے اور جن احادیث کو کمزور سمجھا ہے ان کا ذکر بعد میں کیا ہے۔ اس عبارت کا مکمل ترجمہ یوں ہے:

> ''ہم نے اس اصول کی پیروی کہ ہے کہ ان احادیث کو پہلے رکھیں جو دوسری احادیث کی نسبت عیبوں سے زیادہ محفوظ ہیں اور ان کو نقل کرنے والے حدیث میں اہل استقامت اور اہل اتقان ہیں ان باتوں میں جنہیں انہوں نے نقل کیا اور ان کی روایت میں شدید اختلاف یا بڑا خلط نہیں پایا جاتا۔ جیسا کہ اکثر محدثین کو ان کے بارے میں اطلاع ہوئی ہے۔ پھر لکھتے ہیں کہ جب ہم اس قسم کی احادیث کو بیان کر چکتے ہیں تو اس قسم کی احادیث کو لاتے ہیں جن کی اسناد میں اس قسم کے راوی بھی ہیں جو حفظ اور اتقان میں پہلے لوگوں جیسے نہیں''۔

امام مسلم کی اس وضاحت سے معلوم ہو جاتا ہے کہ انہوں نے بعد والی روایت کو وہ مقام اور وقعت نہیں دی جو پہلی احادیث کو دی ہے۔

لو کان لابن ادم وادیا من مال والی روایت کا جائزہ مولانا مناظر احسن گیلانی نے بھی لیا ہے۔ اس سلسلے میں انہوں نے مندرجہ ذیل نکات پیش کئے ہیں:

- ☆ صحابہؓ کا طریق یہ تھا کہ شاگردوں کے سامنے درس کے دوران قرآنی آیات کا مضمون اور مطلب اپنے الفاظ میں بیان کرتے تھے اس قسم کی روایات میں اس قسم کے الفاظ کو قرآن کی طرف منسوب کر دیا گیا ہے۔ یہ مطلب عربی زبان میں ہی ہوا کرتے تھے۔
- ☆ مذکورہ بالا الفاظ بعینہ قرآن میں موجود نہیں ہیں۔

ہم روزمرہ زندگی میں دیکھتے ہیں علماء و واعظین کسی قرآنی آیت کے مفہوم کو بیان کرنے کے بعد فرماتے ہیں کہ ''ایسا قرآن میں آیا ہے'' حالانکہ جن الفاظ میں وہ قرآنی آیت کا مفہوم بیان کر رہے ہوتے ہیں وہ قرآن کے الفاظ نہیں ہوتے۔ اس مثال سے ہم سمجھ سکتے ہیں کہ یہ بات حماقت ہوگی کہ کوئی سننے والا شخص قرآنی آیت کے مفہوم کو قرآنی آیت سمجھ لے، اور اسے قرآن میں تلاش کرنے لگے۔ کسی صحابی نے کسی موقع پر کوئی آیت پڑھی، درمیان میں اس کی تشریح کے طور

پر چند الفاظ کہے اور شاگرد نے جو یہ جانتا تھا کہ قرآن اور تشریح کے الفاظ کون کون سے ہیں، اگر اس نے اپنے ذاتی نسخے میں دونوں کو لکھ لیا تو اس کا تعلق تو محض نوٹس لینے کا ہے، نہ کہ اس سے تحریف قرآن ثابت ہوتی ہے۔

اس کی مثال حضرت ابی ابن کعبؓ کا یہ واقعہ ہے کہ آپ سورۃ البینۃ سنا رہے تھے جب وہ ''وما امروا الا لیعبدوا اللہ مخلصین له الدین حنفاء'' تک پہنچے تو ''مخلصین لهٗ الدین'' کا مطلب سمجھانے لگے کہ اللہ کی مرضی اور اس کی خوشنودی حاصل کرنا بھی ''الدین'' اور مذہب کی خالص روح اور منشا ہے۔ آپؓ نے اس موقع پر الفاظ ارشاد فرمائے: **ان الدین عنداللہ الحنیفیة المسلمة لا الیهودیة ولا النصرانیة ولا المجوسیة** . (۱۹)

> ''دین خدا تعالیٰ کے نزدیک وہی معتبر ہے جس میں حنیفیت کی طرف یکسوئی کی گئی ہو جو حنفاء کا مطلب ہے اور مسلم ہو یعنی اپنے آپ کو مکمل طور پر خدا کے سپرد کر دیا گیا ہو نہ یہودیت نہ عیسائیت نہ مجوسیت۔''

مسند احمد میں یہ الفاظ بھی ہیں: ''**ثم ختم بما بقی منها**'' . (۲۰)

اس طرح مختلف قسم کے اضافوں سے مغالطے پیدا ہوتے چلے گئے۔ مولانا مناظر احسن گیلانی لکھتے ہیں:

> ''پھر جس قسم کے الفاظ کا اضافہ بیان کیا جاتا ہے ان کی حیثیت بھی زربفت میں ٹاٹ کا پیوند لگانے کے مترادف ہے۔'' (۲۱)

مولانا شبیر احمد عثمانی، قرطبی کے حوالے سے لکھتے ہیں کہ

> ''یہ منسوخ آیات میں سے ہے اور اس کا اسلوب بھی قرآن مجید کے اسلوب سے مختلف ہے''۔ (۲۲)

مزید روایات جو دراصل یا تو تفسیری نوٹس تھے یا وہ پہلے قرآن مجید میں موجود تھیں، پھر منسوخ ہوگئیں:

۱۔ **إنا أنزلنا المال لإقام الصلاة وإيتاء الزكاة ولو أن لابن آدم واديا لأحب أن يكون إليه الثاني ولو كان له الثاني لأحب أن يكون إليهما الثالث ولا يملأ**

جوف ابن آدم إلا التراب ويتوب الله على من تاب.(۲۳)

۲۔ امام حاکم نے مستدرک میں اُبَیؓ ابن کعبؓ سے روایت کی ہے کہ انہوں نے کہا سے حضورﷺ نے فرمایا: بے بیشک مجھے اللہ نے تمہیں قرآن پڑھ کر سنانے کا حکم فرمایا ہے پھر آپؐ نے یہ تلاوت فرمائی:

﴿ لم يكن الذين كفروا من أهل الكتاب والمشركين ﴾

ومن بقيتها : (لو أن ابن آدم سأل واديا من مال فأعطيه سأل ثانيا وإن سأل ثانيا فأعطيه سأل ثالثا ولا يملأ جوف ابن آدم إلا التراب ويتوب الله على من تاب ، وإن ذات الدين عند الله الحنيفية غير اليهودية ولا النصرانية ومن يعمل خيرا فلن يكفره . (۲۴)

۳۔ سیوطی نے اس سلسلے میں ایک تیسری روایت بھی بیان کی ہے ابو عبید نے کہا ہے کہ ابوموسیٰ اشعریؓ سے روایت ہے انہوں نے فرمایا ایک سورۃ ، سورۃ برأۃ کے مثل نازل ہوئی تھی مگر وہ اٹھالی گئی اور اس میں اتنا حصہ محفوظ رکھا گیا:

أن الله سيؤيد هذا الدين بأقوام لا خلاق لهم ولو أن لابن آدم واديين من مال لتمنى واديا ثالثا ولا يملأ جوف ابن آدم إلا التراب ويتوب الله على من تاب.(۲۵)

ہم نے یہ تینوں روایات اس لئے بیان کردی ہیں کہ حقیقت حال مکمل طور پر واضح ہو سکے۔ہم دیکھتے ہیں کہ

۱. ان تینوں روایات میں عبارات مختلف ہیں۔ جب قرآن کے متن (بقول معترضین) کے بارے میں اس قدر مختلف روایات بیان کی جاتی ہوں تو سوال پیدا ہوتا ہے کہ ان میں کس روایت کے متن کو اختیار کیا جائے گا؟

۲۔ ان تمام روایات کا اصل اور حقیقی جواب یہ ہے کہ سیوطی نے ان روایات کا ذکر جس جگہ کیا ہے اس کا عنوان ہے ''وہ آیات جن کی تلاوت منسوخ ہوگئی لیکن حکم منسوخ نہیں ہوا۔''

آیت رجم اور مستشرقین: آیت رجم منسوخ التلاوۃ آیات میں سے ہے اس کی بنیاد پر اعتراض قرآن مجید کے متن پر ایک اعتراض یہ ہے حضرت عمرؓ آیت رجم لے کر حضرت ابوبکر صدیق کی تدوینِ قرآن کمیٹی کے پاس آئے۔لیکن انہیں یہ اجازت نہیں دی گئی کہ وہ اسے قرآن میں شامل کرسکیں۔اس سے یہ استدلال کیا گیا ہے کہ قرآن کا متن عہد نبویؐ میں متعین نہیں تھا۔روایت کے الفاظ یہ ہیں:

ان عمر اتی بایة الرجم فلم یکتبها لانه کان وحده .

عمرؓ آیتِ رجم لے کر تدوین کمیٹی کے پاس آئے لیکن اسے مصحف میں لکھا نہیں گیا کیونکہ (دو گواہوں کے برعکس) وہ اکیلے ہیں۔

اس روایت میں بیان شدہ الفاظ قرآنی الفاظ نہیں ہیں۔اس سلسلے میں مندرجہ ذیل نکات پیش کئے جاسکتے ہیں۔

قرآن مجید کو حضرت ابوبکرؓ نے جمع کیا اور زید بن ثابتؓ نے اسے لکھا۔لوگ زیدؓ کے پاس قرآن کے اجزاء لاتے تھے اور وہ دو معتبر شہادتوں کے بغیر اسے لکھتے نہ تھے۔سورۃ براءۃ کے آخر والی آیت صرف ابوخزیمہؓ انصاری کے پاس سے ملی تو حضرت ابوبکرؓ نے کہا اسکو لکھ لو کیونکہ رسول ﷺ نے ابوخزیمہؓ کی شہادت دو گواہوں کے برابر بتائی ہے۔چنانچہ زیدؓ نے اسے لکھ لیا۔مگر حضرت عمرؓ نے آیت رجم پیش کی تو اسے نہیں لکھا کیونکہ اس بارے میں تنہا عمرؓ کے سوا اور کوئی شہادت نہیں ملی‘‘۔(۲۶) حضرت ابوبکرؓ کے اس کو رد کردینے اور حضرت زیدؓ کے خاموش رہنے سے بھی اس کی تائید ہوتی ہے کہ آیتِ رجم قرآن کی آیت نہ تھی ورنہ حضرت زیدؓ جو حافظ قرآن تھے خود اس آیت کی تلاش کرتے یا اگر وہ بھول بھی گئے ہوتے تو حضرت عمر کی تائید کرنے سے تو باز نہ رہتے۔اور جن الفاظ کے بارے میں کہا جاتا ہے کہ یہ قرآن مجید میں شامل تھے اور اب نہیں ہیں وہ الفاظ یہ ہیں:

۲۔ اگر اس روایت کے الفاظ کے صحیح معانی وہی ہوں جو معترضین نے عام طور پر بیان کئے ہیں، تو یہ الفاظ، حضرت عمرؓ کی زبان سے نکلے ہوئے الفاظ ثابت نہیں ہوسکتے۔

حقیقت یہ ہے کہ ابتدا میں زنا کی سزا کے متعلق یہ حکم نازل ہوا تھا: والتی یا تین الفاحشة من

نسائکم فاستشهدُوا عَلَيهِنَّ اَربَعَةً مِّنكُم. اور تمہاری عورتیں اگر فحش کام کریں تو اپنے میں سے چار گواہ ان پر لاؤ۔ پس اگر وہ گواہی دیں تو ان عورتوں کو ان کے گھروں میں بند کر دو یہاں تک کہ اللہ اس سلسلے میں کوئی نیا راستہ بتلا دیں۔ یہ نیا راستہ سورۃ النور کی آیت نمبر ۲ میں بتلا دیا گیا کہ شادی شدہ زانیوں کو سنگسار کر دو اور غیر شادی شدہ کو سو کوڑے مارو۔

زنا کے اس حکم کے بعد رسول ﷺ نے اس سزا کی تفصیل بیان فرمائی تھی وہ مسلم، ابوداؤد اور ترمذی میں عبادہ بن صامتؓ سے مروی ہے۔ عبادہؓ کہتے ہیں کہ آنحضرت ﷺ نے فرمایا کہ "مجھ سے لو، مجھ سے لو، اللہ نے ان کے لئے رستہ نکالا کہ غیر شادی شدہ مرد غیر شادی عورت کے ساتھ (زنا کرے تو دونوں کو) سو کوڑے اور ایک سال کی جلاوطنی ہے۔ اور شادی شدہ مرد شادی شدہ عورت کے ساتھ (زنا کرے تو دونوں کو) سو کوڑے اور سنگساری کی سزا دی جائے"۔ اس حدیث کے متعلق کوڑوں کی سزا والی آیت علامہ خطابی کہتے ہیں کہ "اس حدیث سے کوڑوں کی سزا والی آیت کی وضاحت ہوگئی۔ غالباً رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے اسی بیان سے حضرت عمرؓ کو رجم کے متعلق حضورؐ کے الفاظ سے قرآنی آیت ہونے کا اشتباہ ہو گیا ہوگا۔ غرض کہ رجم کا حکم کتاب اللہ سے کسی طرح ثابت نہیں ہوسکتا البتہ سنتِ رسول اللہؐ سے تعبیر کیا جا سکتا ہے۔ بخاری (باب رجم المحصن) میں شعبی سے روایت ہے کہ "حضرت علیؓ نے جب ایک عورت کو رجم کیا تو اس کو کوڑے مارے اور اس کو رجم کیا اور فرمایا کہ اس کو کوڑے تو کتاب الٰہی کے مطابق مارے اور سنت رسول ﷺ کے مطابق رجم کیا"۔

۳۔ حضرت عمرؓ کو عہد صدیقیؓ میں جمع قرآن کی ساری کاروائی میں بنیادی عمل دخل حاصل تھا۔ انہوں نے ہی اس کاروائی کیلئے حضرت ابوبکر صدیقؓ اور حضرت زید ابن ثابتؓ کو رضامند کیا تھا۔ جب حضرت زید ابن ثابتؓ نے جمع قرآن کے کام کا آغاز کیا تھا تو اس وقت حضرت عمرؓ نے بھی یہ معیار جامعین کو بتایا تھا کہ "اقعدا علی باب المسجد فمن جاء کما بشا هدين على شيء من كتاب الله فاكتباه" (۲۸)

ترجمہ: تم مسجد کے دروازے پر بیٹھ جاؤ اور جو شخص قرآن کا کوئی حصہ لے کر آئے اس سے دو گواہیاں لے کر لکھ لو۔

۴۔ اس نسخے کی تیاری کے بعد اسے پہلے حضرت ابوبکر صدیقؓ کے پاس اور پھر حضرت عمرؓ کے ہی پاس رکھا گیا تھا اور ان کی وفات تک ان کے پاس ہی رہا۔ جس دوران یہ نسخہ آپؓ کے پاس تھا، آپ اسی دوران خلیفہ بھی تھے۔ آپؓ ایک مضبوط خلیفہ تھے۔ تمام امور مملکت میں انہیں مکمل اختیارات حاصل تھے۔ خصوصاً دینی امور میں وہ ذرا سی نرمی کے بھی روادار نہ تھے۔ اس صورت میں سوال پیدا ہوتا ہے کہ اگر آیت رجم حضرت عمرؓ کے خیال کے مطابق شامل قرآن تھی تو پھر اس دس برس کے دور حکومت میں انہوں نے اسے قرآن میں شامل کیوں نہیں کیا۔ دیگر صحابہؓ کا نقطہ نگاہ بھی اگر یہی تھا کہ یہ آیت قرآن ہے تو پھر انہیں بھی کوئی امر مانع نہ تھا کہ وہ اسے قرآن میں داخل کرتے۔

۵۔ جب زید ابن ثابتؓ قرآن جمع کررہے تھے اس وقت تمام صحابہؓ کو کھلی اجازت تھی کہ جس جس کے پاس قرآن کا جو جو حصہ بھی ہو، وہ اسے جامعین کے سامنے پیش کردے۔ شرط صرف یہ تھی کہ اس کے ساتھ دو گواہیاں بھی پیش کی جائیں۔

کیا کسی اور بھی صحابی کا ایسا کوئی بیان کہیں ملتا ہے کہ وہ آیت رجم، کمیٹی کے پاس لے کر گئے اور اس نے اس آیت کو قرآن میں شامل نہیں کیا؟

تاریخ کے عظیم ذخیرے سے ہمیں مستشرقین کی مذکورہ روایت کے علاوہ اور کوئی روایت ایسی نہیں ملتی کہ کسی کو یہ اعتراض ہو کہ آیت رجم کو قرآن میں شامل نہیں کیا گیا۔ حضرت عمرؓ کے بارے میں بھی یہ نہیں کہا گیا کہ انہوں نے شہادتیں پیش کردی تھیں کہ یہ حصہ، قرآن میں شامل ہے۔ اس صورت میں مذکورہ بیان، حضرت عمرؓ کا ذاتی خیال ہوسکتا ہے۔ پھر جب ہم یہ دیکھتے ہیں کہ اس ذاتی خیال کی بھی کیا حیثیت تھی، تو کسی ابہام کی گنجائش باقی نہیں رہ جاتی۔

۶۔ پھر جب ہم یہ دیکھتے ہیں کہ کسی بھی شخص کا اس میں کوئی مفاد نہ تھا کہ اس آیت کو قرآن میں شامل نہ کیا جائے تو یہ بات بالکل بے بنیاد نظر آتی ہے کہ اس آیت کو قرآن کا حصہ سمجھتے ہوئے بھی لوگوں نے اسے قرآن میں شامل نہیں کیا۔

۷۔ حضرت عمرؓ کا بھی اس میں کوئی مفاد نہ تھا کہ وہ اپنے دور حکومت میں یہ اعلان فرمادیتے

کہ ''جمع قرآن کمیٹی'' سے یہ آیت قرآن میں شامل ہونے سے رہ گئی تھی لہذا اب میں حکم دیتا ہوں کہ اسے قرآن کا حصہ گردانا جائے۔ نہ ہی اس کمیٹی کا کوئی مفاد اس میں مضمر تھا کہ وہ اس حصے کو قرآن میں شامل نہ کرتی۔

۸۔ اس آیت کے شامل قرآن ہونے کے بارے میں تین صورتیں ہوسکتی ہیں:

(i) یہ قیاس ہوسکتا ہے کہ حضرت عمرؓ اور دیگر صحابہؓ کا اس پر اتفاق تھا کہ یہ قرآن کی آیت ہے۔

(ii) یا یہ قیاس ہوسکتا ہے کہ حضرت عمرؓ کی یہ رائے تھی کہ یہ قرآن کی آیت ہے لیکن دیگر صحابہؓ اس رائے سے متفق نہ تھے۔

(iii) یا یہ قیاس کیا جاسکتا ہے کہ نہ حضرت عمرؓ اور نہ ہی دوسرے صحابہؓ اس کے شامل قرآن ہونے پر متفق تھے۔ پہلے قیاس کے بارے میں گذشتہ سطور میں ذکر کردیا گیا ہے کہ اس کا کوئی امکان نہیں تھا۔ دوسرا قیاس بھی غلط ہے کیوں کہ اس بات کی کہیں ذرا بھی شہادت نہیں ملتی کہ حضرت عمرؓ نے کبھی یہ بات بیان کی ہو اور صحابہؓ نے اس کی تردید کی ہو۔اور اگر بالفرض یہ مانا جائے کہ واقعی حضرت عمرؓ کے ایسے بیان کی دوسرے صحابہؓ نے تردید کی تھی ،تو حضرت عمرؓ جب کسی دوسری صحابیؓ کو اپنا مؤید نہ پاتے تو خود ہی اپنی غلطی سے رجوع کرلیتے۔

ایک تیسرا قیاس ہی رہ جاتا ہے جس کی بنا پر کچھ کہا جاسکے۔لیکن اس قیاس کے بارے میں سوال پیدا ہوتا ہے کہ یہ قیاس اس حدیث کے ساتھ کس طرح موافق ہوسکتا ہے۔ کیونکہ ظاہر میں دونوں میں تضاد نظر آتا ہے۔لیکن درحقیقت معاملہ یوں نہیں ہے۔تھوڑا سا غور کرنے کے بعد یہ بات واضح ہوجاتی ہے کہ اگر اس روایت کا معنیٰ تیسرے قیاس کے ساتھ موافق نہ ہو تو یہ روایت ہی بے معنیٰ اور عبث ٹھہرتی ہے۔ حضرت عمرؓ نے تو یہ فرمایا تھا کہ جب زمانہ گزر جائے گا تو لوگ یہ کہنا شروع کردیں گے کہ زانیوں کو سنگسار کرنے کا حکم کتاب اللہ میں نہیں ۔ حالانکہ زانی مردوں اور زانی عورتوں کو سنگسار کرنے کا حکم کتاب میں صحیح طور پر موجود ہے۔''(۲۹)

۹۔ اگر ہم کتاب اللہ سے مراد قرآن سمجھیں تو یہ ایک صریح تضاد ہے اور اس لئے روایت مذکور سراسر بے معنیٰ ہے۔ کیونکہ اس صورت میں معنیٰ یہ ہوگا کہ سنگساری کا حکم قرآن میں

موجود ہے مگر مرورِ زمانہ کے بعد لوگ کہیں گے کہ ایسا کوئی حکم قرآن میں موجود نہیں۔ اگر ہم کتاب اللہ کے مفہوم کو ذرا سی وسعت دیں تو یہ اختلاف دور ہو جاتا ہے ضروری نہیں کہ کتاب اللہ سے مراد قرآن حکیم ہی ہو۔ سورۃ النساء کی آیت نمبر ۲۴ میں یہ لفظ ''احکام الٰہی'' کیلئے استعمال ہوا ہے۔ آیت کے الفاظ یہ ہیں:

﴿ وَالْمُحْصَنَاتُ مِنَ النِّسَاءِ إِلَّا مَا مَلَكَتْ أَيْمَانُكُمْ كِتَابَ اللَّهِ عَلَيْكُمْ. ﴾(۳۰)

اور ان عورتوں سے نکاح بھی حرام ہے جو پہلے ہی کسی کے نکاح میں ہیں سوائے اس کے کہ وہ تمہاری مملوکہ ہو جائیں اللہ نے یہ احکام تمہارے اوپر فرض کر دیا ہے گویا کتب اللہ علیکم کا معنیٰ ہے تم پر فرض کر دیا گیا ہے۔

گویا اگر اس روایت کو درست بھی تسلیم کیا جائے کہ آیت رجم قرآن کا حصہ ہے، تب بھی ضروری نہیں کہ کتاب اللہ سے مراد قرآن حکیم ہی ہے۔ اسی طرح سورۃ النساء ہی میں یہ لفظ قرآن کی بجائے فرض کئے جانے کے معنوں میں استعمال ہوا ہے۔﴿ان الصلوة كانت على المومنين كتاباً موقوتاً﴾(۳۱) ''بے شک نماز مومنوں پر مقررہ اوقات میں فرض کر دی گئی ہے۔''

اس صورت میں یقین کے ساتھ کہا جا سکتا ہے کہ اس روایت میں جو کچھ بیان کیا گیا ہے اس کا مطلب ہرگز وہ نہیں جو معترضین نے بیان کیا ہے۔ اس نقطہ نگاہ کی اس اعتبار سے بھی کوئی حیثیت نہیں کہ ایک طرف تمام صحابہؓ کی پوری جماعت ہے اور دوسری طرف ابوموسیٰ اشعریؓ کی یہ روایت ہے۔ ان کی اکیلی اس روایت کو ترجیح دینے کی کوئی وجہ موجود نہیں ہے۔ ترجیح دینا تو درکنار اس روایت کو تو شمار میں ہی نہیں لایا جا سکتا۔(۳۲)

مولانا مناظر احسن گیلانی لکھتے ہیں: آیت رجم اور آیت متعہ کے بارے میں حضرت عمرؓ سے منسوب بیان کی حقیقت یہ ہے کہ حضرت عمرؓ کو پتہ چلا کہ لوگ ان کی وفات کے بعد خلافت کے بارے میں منصوبے بنا رہے ہیں۔ اس پر آپ نے مدینہ طیبہ میں ایک تقریر ارشاد فرمائی۔ آپ نے حضرت ابوبکر

صدیقؓ کا بھی ذکر فرمایا۔ آپ نے فرمایا میرا ٹھکانہ کیا ہے آج ہوں کل نہ ہوں گا۔ اس لئے چند باتوں کا تذکرہ ضروری سمجھتا ہوں رجم کا قانون اگرچہ قرآن میں نہیں پایا جاتا مگر میں گواہی دیتا ہوں کہ " کان عماانزل اللّٰہ" اس کا مطلب یہ ہے کہ یہ بھی اللہ تعالیٰ کا طرف سے نازل شدہ احکام میں سے ہے۔ آپؓ نے دراصل یہ فرمایا کہ کسی کو مغالطہ نہ ہو کہ قرآن میں یہ حکم نہیں ہے اس لئے یہ کوئی حکم ہی نہیں ہے بلکہ اس پر حضورؐ نے عمل کر کے دکھایا۔ اس سلسلے میں اصل مغالطہ کان مما انزل اللّٰہ " کے الفاظ سے پیدا ہوتا ہے ۔ درحقیقت اسلام کے تمام احکام منزل من اللہ ہی ہیں۔ نبی کریم ﷺ نے فرمایا ''الانی اوتیت القرآن و مثله مَعَه' آگاہ ہو جاؤ کہ مجھ پر قرآن نازل کیا گیا اور اس جیسی ایک اور چیز۔ قرآن وحی جلی ہے جس کے الفاظ اللہ کی طرف سے ہیں اور حدیث وحی خفی ہے اس کے مفاہیم اللہ کی طرف سے ہیں اور الفاظ حضور ﷺ کے ہیں۔ لہذا ممانزل اللہ سے تو یہ ثابت نہیں ہوتا کہ یہ قرآن کے الفاظ تھے بلکہ یہ ثابت ہوتا ہے کہ رجم ایک شرعی حکم ہے جو رسول ﷺ پر نازل ہوا تھا جو نافذ کیا بھی گیا۔ لیکن یہ تمام قرآن مجید میں تو نہیں ۔ حضورؐ کے فرامین کے بارے میں قرآن کہتا ہے

﴿ومانیطق عن الهوی ان هوالا وحی یوحٰی﴾(۳۳)

اس سے معلوم ہوا کہ احکام کی دو صورتیں ہیں:

۱۔ وہ احکام جو قرآن میں موجود ہیں

۲۔ وہ جو قرآن میں موجود نہیں لیکن ان پر عمل کیا جاتا ہے۔ لیکن مسلمانوں کا متفقہ فیصلہ ہے کہ یہ دونوں احکام منزل من اللہ ہیں۔ بالکل اسی نقطہ کا اظہار شیعہ عالم علامہ علی نقی نے بھی کیا ہے۔ (۳۴)

مولانا مناظر احسن گیلانی کی اس تشریح سے یہ بات آسانی سے سمجھ میں آسکتی ہے کہ حضرت عمرؓ کا مقصد یہ ہرگز نہ تھا کہ آیت رجم قرآن تھی اور اب اسے قرآن سے نکال دیا گیا ہے۔

اس سلسلے میں ایک اور ابہام بھی موجود ہے کہ اس روایت میں سفیان راوی کا یہ بیان بھی ہے کہ کذاحفظت میں اس نے اسی طرح یاد کیا ہے گویا یہ قرآن کا حصہ تھا اور میں نے حفظ اسی طرح کیا تھا۔ یعنی حفظ تو قرآن ہی کو کیا جاتا ہے ان الفاظ کا تجزیہ علماء نے کیا ہے۔

اس حدیث کو امام بخاری نے علی بن عبداللہ المدینی سے نقل کیا ہے اس نے سفیان ثوری سے نقل کیا ہے، اس نے ابن شہاب زہری سے نقل کیا ہے اس نے عبیداللہ سے نقل کیا ہے، اس نے عبداللہ بن عباس سے نقل کیا ہے اور اس نے حضرت عمرؓ سے نقل کیا ہے، درمیان میں قال سفیان کذاحفظت کا لفظ آیا ہے اس کے بارے میں ابن حجر لکھتے ہیں:

''یہ الفاظ اولاعتراف اور قدرجم کے درمیان جملہ معترضہ ہے اس روایت کو اسماعیلی نے (مستخرج میں) جعفر فریابی سے نقل کیا ہے اور فریابی نے بخاری کے شیخ علی بن عبداللہ المدینی سے نقل کیا ہے۔ اسماعیلی کی اس روایت میں اولاعتراف کے بعد حضرت عمرؓ کا قول نقل ہوا ہے:

> وَقَدْقَرَءْ نَاهَاالشَّیْخُ وَالشَّیْخة اِذَازَنَیَا فَارْجُمُوهُمَاالْبَتَّةَ وَقَدْ رجم رسولﷺ ورجمنا بعده.(۳۵)
>
> ''ہم نے یہ آیت پڑھی تھی کہ بوڑھا اور بوڑھی جب زنا کریں تو دونوں کا لازماً سنگسار کرو۔ رسولﷺ نے بھی رجم کی سزا دی تھی اور ہم نے بھی آپ کے بعد زنا کرنے والوں کو سنگسار کیا''۔

مگر بخاری کی روایت میں وقرء ناھا سے البتۃ تک کے الفاظ ساقط ہو گئے ہیں۔ شاید بخاری نے خود ہی ارادتاً ان الفاظ کو حذف کر دیا ہے اس لئے کہ امام نسائی نے اس حدیث کو محمد بن منصور عن سفیان کی سند کے ساتھ جعفر فریابی کی روایت کی طرح نقل کیا ہے لیکن اسکے بعد کہا ہے کہ مجھے سوائے سفیان کے دوسرا کوئی معلوم نہیں ہوا ہے جس نے اس حدیث میں الشیخ والشیخۃ الخ کے الفاظ نقل کئے ہوں اور مناسب وصحیح بات یہی ہے کہ سفیان کو اس کے نقل کرنے میں وہم ہو گیا ہے، میں کہتا ہوں یعنی ابن حجر کہتے ہیں کہ ائمہ حدیث نے اس حدیث کو امام مالک، یونس، معمر، صالح بن کیسان، عقیل اور دوسرے حفاظ حدیث سے نقل کیا ہے جو سب کے سب زہری سے نقل کرتے ہیں مگر ان سب کی روایت میں یہ الفاظ نقل نہیں ہوئے''۔(۳۶)

ابن حجر کا مقصد یہ ہے کہ اس روایت میں الشیخ والشیخۃ کے الفاظ اسماعیلی نے جعفر فریابی کی روایت میں نقل کئے ہیں گمان یہی ہے کہ بخاری نے ان کو قصداً حذف کر دیا ہے اس لئے کہ نسائی نے اپنی سند کے ساتھ ان الفاظ کو نقل کرنے کے بعد کہا کہ ان کے نقل کرنے میں سفیان سے وہم ہو گیا ہے اور نسائی کے اس قول کی تائید اس سے بھی ہوتی ہے کہ سفیان کے علاوہ زہری کے دوسرے شاگردوں میں سے کسی نے بھی یہ الفاظ نقل نہیں کئے بلکہ یہ صرف سفیان کا شذوذ ہے اور شاذ الفاظ کو نقل کرنا بخاری نے مناسب نہیں سمجھا۔ اس لئے ان کو درمیان سے قصداً حذف کر دیا ہے۔ ابن حجر نے نسائی کی جس روایت کا حوالہ دیا ہے وہ نسائی سنن کبریٰ کتاب الرجم باب تثبیب الرجم میں نقل ہوئی ہے اور آخر میں لکھا ہے کہ:

قال ابو عبدالرحمن لا اعلم احداذکرفی هذا الحدیث الشیخ و الشیخة فار جموهما البتة غیر سفیان وینبغی انه وهم .(۳۷)

"ابو عبدالرحمٰن یعنی نسائی کہتا ہے کہ مجھے سفیان کے علاوہ دوسرا کوئی راوی معلوم نہیں ہے جس نے اس حدیث میں الشیخ والشیخة اذا زنیافارجموهماالبتة کے الفاظ نقل کیے ہوں اور مناسب بات یہی ہے کہ ان کو وہم ہو گیا ہے"

اس کے بعد نسائی نے یہ روایت مالک، یونس، عبداللہ بن ابی بکر بن حزم اور عقیل سے نقل کی ہے جو زہری کے شاگرد ہیں لیکن ان میں سے کسی نے بھی مذکورہ الفاظ نقل نہیں کئے ہیں۔

صحیح بخاری کی ایک دوسری روایت میں زہری سے سفیان کی بجائے صالح بن کیسان نقل کرتے ہیں مگر اس میں بھی الشیخ و الشیخة کا اضافہ مروی نہیں ہے۔ اس روایت کے الفاظ یہ ہیں:

إن اللّٰه بعث محمدا صلی الله علیه و سلم بالحق وأنزل علیه الکتاب فکان مما أنزل الله آیة الرجم فقرأناها وعقلناها ووعیناها رجم رسول الله صلی الله علیه و سلم ورجمنا بعده فأخشی إن طال بالناس زمان أن یقول قائل والله ما نجد آیة الرجم فی کتاب الله فیضلوا بترک فریضة أنزلها الله والرجم فی کتاب الله حق علی من زنی إذا أحصن من الرجال والنساء

إذا قامت البينة أو كان الحبل أو الاعتراف.(۳۸)

''اللہ نے محمد کو دین حق کے ساتھ بھیجا تھا اور ان پر کتاب نازل کی تھی اور اللہ کی نازل کردہ آیات میں سے رجم کی آیت بھی تھی جسے ہم نے پڑھا تھا، سمجھا تھا اور یاد کیا تھا رسول ﷺ نے رجم کی سزا دی تھی اور آپ کے بعد ہم نے بھی رجم کی سزا دی تھی۔ مجھے ڈر لگتا ہے کہ لمبی مدت گزرنے کے بعد کوئی کہنے والا کہے گا کہ واللہ ہم نے اللہ کی کتاب میں رجم کی سزا نہیں پائی تو لوگ اللہ کے نازل کردہ فریضے کو چھوڑ کر گمراہ ہو جائیں گے۔ اللہ کی کتاب میں اس شخص پر رجم کی سزا حق ہے جس نے زنا کیا ہو اور وہ شادی شدہ ہو خواہ مرد ہو یا عورت ہو جب کہ اس پر گواہ قائم کیے گئے ہوں یا اس کا حمل ظاہر ہو چکا ہو یا اس نے اعتراف کر لیا ہو''۔

الاتقان میں موجود روایت '' ان عمر اتیٰ باية الرجم فلم يكتبها لانه كان وحده''(۳۹) کی بنیاد پر مستشرقین نے یہ استدلال کیا ہے کہ ممکن ہے اور بھی کئی ایک ایسی آیات ہوں جو اسی طرح قرآن مجید میں لکھے جانے سے رہ گئی ہوں اور یوں قرآن مجید کا متن نامکمل رہ گیا ہوگا۔''

۱۔ سب سے پہلے یہ دیکھنا ہوگا کہ علامہ سیوطی نے اس روایت کا ذکر کس سیاق وسباق اور کس عنوان کے تحت کیا ہے۔ ہم دیکھتے ہیں کہ انہوں نے اس کا ذکر جلد دوم میں ''مانسخ تلاوته'' کے عنوان کے تحت کیا ہے۔(۴۰)

نور الانوار میں بھی اسی طرح کی روایت موجود ہے۔(۴۱)

۲۔ مختلف علماء نے حضرت عمرؓ کے آیت رجم لانے کا مقصد بیان کیا ہے۔ ان کے اس فرمان کا خلاصہ اور مقصد یہ ہے کہ آئندہ نسلیں کہیں رجم کا حکم بھلا ہی نہ دیں۔ اس لئے وہ اسے (حکم رجم کو) قرآن مجید کے حاشیے پر لکھوانا چاہتے تھے۔

امام احمد بن حنبلؒ سے جو روایت مروی ہے اس میں یہ الفاظ موجود ہیں:

في ناحية من المصحف(۴۲)

یعنی مصحف کے کنارے پر (گویا وہ اس عبارت کو مصحف کے حاشیے پر لکھوانا چاہتے تھے)

علامہ اسفرائنی کی کتاب ناسخ منسوخ میں اس کے بارے میں یہ الفاظ موجود ہیں:

علیٰ ناحیۃ المصحف (۴۳)

علامہ آلوسی روح المعانی میں لکھتے ہیں کہ حضرت عمرؓ نے فرمایا:

لولاک ان یقال ان عمر زادفی الکتاب لکتبتھافی حاشیۃ المصحف الشریف(۴۴)

مجھے اگر ڈر نہ ہوتا کہ لوگ کہیں گے کہ عمرؓ نے قرآن میں اضافہ کر دیا ہے تو میں اس حصے کو قرآن کے حاشیے پر لکھوا دیتا۔

یہی الفاظ ابن کثیر میں بھی ہیں۔ انہی سے تفسیر مظہری کی جلد ششم میں یہی الفاظ ہیں۔ (۴۵) اگر حضرت عمرؓ لکھوانے کے ارادے سے یہ آیت لائے ہوتے تو انہیں کوئی روک نہیں سکتا تھا۔ حضرت عمرؓ نے بھی اسے لکھوانے پر اصرار نہیں کیا تھا۔

الاتقان کے الفاظ بھی یہی ظاہر کرتے ہیں کہ چونکہ ''جمع قرآن'' کیلئے جو معیار مقرر کیا گیا تھا، یہ ٹکڑا اس معیار پر پورا نہ اترتا تھا، اس لئے اسے شامل قرآن نہ کیا گیا۔ (۴۶)

مولانا مناظر احسن گیلانی آیت رجم کے بارے میں لکھتے ہیں:

روایت **الشیخ والشیخۃ اذاز نیا فار جمو ھما**، جس میں البتۃ کے لفظ کا اضافہ بھی پایا جاتا ہے بخاری یا مسلم کسی میں موجود نہیں ہے۔ بلکہ ابوداؤد اور ترمذی میں بھی نہیں پائی جاتی۔

مولانا فرماتے ہیں کہ قرآن مجید کے الفاظ اور اس روایت کے الفاظ میں کوئی یک رنگی نظر نہیں آتی۔ قرآن مجید کے الفاظ ہر اعتبار سے معجزہ ہیں۔ ان الفاظ میں کوئی ایسی خصوصیت نہیں ہے کہ انہیں قرآن کے الفاظ کہا جا سکے۔ (۴۷)

☆ حضرت عمرؓ کے الفاظ یہ ہیں کہ ''رجم کا قانون شادی شدہ مردوں اور عورتوں کیلئے ہی ہے۔'' مگر جب ہم روایت کے الفاظ پر غور کرتے ہیں تو الشیخ (بوڑھا) الشیخۃ (بوڑھی) ایسے الفاظ ہیں جن کیلئے ضروری نہیں کہ وہ شادی شدہ ہی ہوں۔ (۴۸)

☆ اس صورت میں نتیجہ کیا ہوا؟ ایسے بوڑھے اور بوڑھی عورت جن کی شادی نہ ہوئی ہو ان

الفاظ کی بنیاد پر چاہئے کہ ارتکاب جرم میں سنگسار نہ کئے جائیں۔ چونکہ **الشیخ** اور **الشیخة** کے الفاظ ان پر صادق نہیں آتے۔ اس لئے رجم کا قانون ان کیلئے باقی نہ رہا۔

☆ صرف اتنی بات ہی نہیں بلکہ رجم کا قانون اس روایت کی بنا پر صرف اسی زنا سے متعلق ہوگا جب طرفین بوڑھے ہوں۔

☆ لیکن اگر ایک طرف بوڑھا اور دوسری جانب جوان یا بالعکس ہوتو اس پر بھی یہ قانون عائد نہ ہوگا۔ (۴۹)

☆ حقیقت یہ ہے کہ ''شیخوخت'' عربی زبان میں عمر کے اس حصےّ کو کہتے ہیں جس میں عموماً جنسی خواہش کا زور کم یا بسا اوقات مفقود بلکہ حد نفرت کو پہنچ جاتا ہے جب وہ عمر کے اس حصےّ میں ہوں تو زنا کے صدور کا امکان ہی کیا باقی رہ جاتا ہے۔ (۵۰)

☆ یہاں بھی مولانا مناظر احسن گیلانی نے اسی بنیاد پر استدلال کیا ہے جس بنیاد پر حضرت عائشہ صدیقہؓ سے منسوب روایت کے جائزے میں کیا تھا۔ وہ فرماتے ہیں کہ یہاں ابہام ''**کان مماانزل اللہ**'' کے علاوہ **کان ممایقرا** کے الفاظ سے پیدا ہوا ہے۔ حالانکہ ان الفاظ کا لازمی مطلب یہی نہیں کہ یہ قرآن کا حصہّ تھا۔ (۵۱) حضرت انسؓ فرمایا کرتے تھے کہ یمامہ کے شہید حفاظ نے پہلے یہ دعا کی تھی کہ انہیں شہادت نصیب ہو۔ ان کی دعا کے الفاظ یوں تھے۔

اللّٰھم ابلغ منا نبینا ان قد یقناک گر فینا عنک ورضیت عنا. (۵۲)

''اے اللہ ہمارے نبی کریمﷺ کو مطلع کر دیجئے کہ آپؐ سے ہم مل گئے پس ہم آپ سے راضی اور خوش ہوئے اور آپ ہم سے راضی ہوئے''۔

اس روایت کا ذکر کر کے حضرت انسؓ فرمایا کرتے تھے کہ ہم ان الفاظ کو یعنی ان شہدا کی دعا کے ان الفاظ کو جس کی خبر جبریل کے ذریعے حضورﷺ کو ملی تھی، ''**کنا نقرأ**'' یعنی ہم پڑھا کرتے تھے۔

پس نقرء کے لفظ سے بعض لوگوں کو مغالطہ ہوا کہ شاید یہ بھی قرآن کا جزء تھا، حالانکہ ہم دیکھتے ہیں کہ اس کی نوعیت بھی وہی ہے جو ''**فیما انزل من القرآن**'' یا **کنا نقرء فیما نقرء من کتاب اللہ**'' کی ہے۔ یعنی جبریل کی وساطت سے حضورﷺ تک یہ پہنچا تھا۔ قرآن کی وحی میں تو

جبریل ضرور واسطہ کا کام کرتے تھے لیکن ہر وہ چیز جو جبریل لیکر آئے اس کا قرآن ہونا ضروری نہ تھا۔ یہی حالت ان زیر بحث الفاظ کی ہے۔(۵۳)

اس روایت کے مضمن میں گذشتہ سطور میں جو کچھ کہا گیا ہے اس سے بھی صاف واضح ہو رہا ہے کہ اگر ایک آیت **لقدجاء کم رسول من انفسکم** مطلوبہ معیار کے مطابق مل نہیں رہی تھی تو سب کو پتہ تھا کہ یہ آیت مل نہیں رہی، ایسا نہیں ہوا کہ حضرت زیدؓ نے قرآن جمع کر کے کام مکمل کرلیا تھا اور بعد میں خذیمہؓ آگئے اور کہا کہ آپ تو بھول گئے ہیں، میرے پاس تو ایک آیت قرآن موجود تھی اور آپ کو تو وہ یاد ہی نہیں۔ تاریخ شاہد ہے کہ ایسا نہیں ہوا۔

اسی طرح اگر آیت رجم بھی قرآن کا حصہ ہوتی تو صحابہؓ کو اس کا علم ہوتا۔ حضرت زیدؓ نے تو ہوسکتا ہے''آیت رجم'' کو قرآن میں شامل کرنے سے انکار کیا ہو، لیکن اس کے حصہ قرآن ہونے کی صورت میں باقی صحابہ کو کس طرح مطمئن کیا جاسکتا تھا۔

لہذا حقیقت یہی ہے کہ آیت رجم قرآن مجید کا حصہ نہ تھی۔ حضرت عمرؓ کا مقصد بھی اسے قرآن مجید کے باقاعدہ متن میں شامل کرنا نہ تھا۔ اگر آپؓ نے فرمایا کہ'' ہم اس کی تلاوت کیا کرتے تھے۔'' تو اس کا مطلب یہی ہے کہ اب یہ آیت تلاوت کے اعتبار سے منسوخ ہو چکی ہے۔ اس طرح کی بہت سی ایسی آیات اور بھی تو ہیں جو پہلے قرآن مجید میں موجود تھیں لیکن اب منسوخ ہو چکیں۔ آیات کے نسخ کے بارے میں تو مسلمانوں کے ہاں کبھی دو آراء رہی ہی نہیں ہیں۔ اگر یہ آیات کبھی کسی زمانے میں پڑھی جاتی تھیں تو اس کا یہ مطلب ہرگز نہیں کہ اب بھی یہ قرآن کا حصہ ہونی چاہییں۔ ہمیں یہ روایت ذہن میں رکھنی چاہیے کہ عرضہ اخیرہ سے قبل کئی ایک آیات منسوخ ہوگئیں۔ گزشتہ سطور میں بیان کردہ تفصیلات سے یہ بات آسانی سے سمجھی جاسکتی ہے کہ رجم کی مذکورہ آیت قرآن کی آیت نہیں ہے ورنہ حضرت ابوبکرؓ کی کمیٹی اسے قرآن میں شامل کرلیتی، اور حضرت عثمانؓ تو اس کو ضرور درج کروادیتے۔ یہ مسلّم ہے کہ قرآن جو اس وقت ہمارے ہاتھوں میں موجود ہے بے کم وکاست وہی قرآن ہے جس کو رسول ﷺ نے چھوڑا تھا اور اس میں وہ تمام وحی بغیر کسی کمی زیادتی کے اسی طرح موجود ہیں جس طرح رسول ﷺ پر نازل ہوئی۔

☆☆☆☆

حواشی وحوالہ جات

(۱) سورۃ البقرۃ: ۱۰۶

(۲) سورۃ النحل: ۱۰۱

(۳) سورۃ الاعلیٰ: ۶،۷

(۴) الافریقی، ابن منظور، لسان العرب، مادہ: ن س خ ؛ مکی ابن ابی طالب، الایضاح لناسخ القرآن، جدہ، دارالمنارۃ، ۱۹۸۶ء، ص: ۵۲ (باب معنی النسخ)

(۵) سورۃ الحج: ۵۲

(۶) مکی ابن ابی طالب، الایضاح لناسخ القرآن، ص ۴۷

(۷) الباقلانی: محمد بن الطیب بن محمد بن جعفر بن القاسم، القاضی أبوبکر الباقلانی المالکی (م ۴۰۳ ھ) الانتصار للقرآن، تحقیق: محمد عصام القضاۃ، بیروت: دار ابن حزم، ط ۱، ۱۴۲۲ھ، ۱/ ۵۹

(۸) مسلم، الجامع الصحیح، حدیث: ۲۴۱۸ (کتاب الزکوۃ)

(۹) مسلم، الجامع الصحیح، حدیث: ۲۴۱۹ (کتاب الزکوۃ)

(۱۰) الصّف: ۲

(۱۱) السیوطی: الاتقان فی علوم القرآن، ۱/ ۶۱

(۱۲) الذہبی، شمس الدین، میزان الاعتدال فی نقد الرجال (ترجمہ نمبر: ۲۱۳۶)، ۲/ ۲۴۸

(۱۳) مسلم، الجامع الصحیح، حدیث: ۲۴۱۵ (کتاب الزکوۃ)

(۱۴) الذہبی، میزان الاعتدال ۲/ ۱۵۹ (ترجمہ نمبر: ۳۲۷۷)

(۱۵) ایضاً ۴/ ۴۱۳ (ترجمہ نمبر: ۹۶۴۹)

(۱۶) مسلم حوالہ مذکور، کتاب الزکوۃ

(۱۷) ایضا

(۱۸) ایضا، مقدمہ

(۱۹) ابن الاثیر، مجد الدین ابوالسعادات ، جامع الاصول فی احادیث الرسول، (تحقیق :عبدالقادر الارناؤوط) ۱۹۶۹ء ،حدیث نمبر۹۷۲، ۲/۵۰۰؛ گیلانی، مناظر احسن، تدوین قرآن، مکتبۃ البخاری، کراچی، ۲۰۰۵، ص:۱۰۳۔۱۰۹

(۲۰) أحمد بن حنبل: المسند، حدیث نمبر۲۱۲۴۱،تحقیق شعیب الأرنؤوط، ۱۳۲/۵

(۲۱) گیلانی، حوالہ مذکور

(۲۲) عثمانی، شبیر احمد، اعجاز القرآن، ادارہ اسلامیات، ۲/۶۹، ۷۰

(۲۳) سیوطی، الاتقان، النوع السابع والاربعون، تحقیق مرکز الدراسات القرآنیہ، مجمع ملک فہد، ص ۱۴۵۹

(۲۴) الحاکم ،محمد بن عبداللہ النیسابوری: المستدرک علی الصحیحین، بیروت: دارالکتب العلمیۃ، ۱۹۹۰، ۲/۲۴۴، حدیث نمبر۲۸۸۹

(۲۵) السیوطی، حوالہ مذکور

(۲۶) ایضا

(۲۷) ایضا

(۲۸) ایضا

(۲۹) ایضا

(۳۰) سورۃ النساء: ۲۴

(۳۱) سورۃ النساء: ۱۰۳

(۳۲) گیلانی، حوالہ مذکور

(۳۳) سورۃ النجم: ۴

(۳۴) علی نقی، مقدمہ تفسیر القرآن، ۸۵

(۳۵) ابن حجر: فتح الباری شرح بخاری، کتاب الحدود، باب الاعتراف بالزنا، طبع حلبی مصر، ۱۹۵۹ء، ص ۱۰۰ ج ۱۰

(۳۶) ایضا

(۳۷) سنن کبری للنسائی طبع ملتان ص: ۲۸۳/ج: ۴

(۳۸) صحیح بخاری کتاب المحاربین باب رجم الحبلی، صحیح مسلم کتاب الحدود باب رجم الثیب فی الزنا، سنن ابوداود کتاب الحدود باب فی الرجم، سنن ترمذی کتاب الحدود باب فی الرجم، سنن حمیدی طبع مدینه منوره ص:۱٦/ج:۱ رقم الحدیث ۲۵

(۳۹) بحوالہ گیلانی، ص:٦۷؛ مزید دیکھیے: ابن حجر عسقلانی، فتح الباری، جلد۱۵، صفحہ۱۵٦

(۴۰) سیوطی: الاتقان، ۲/٦۲

(۴۱) ملاجیون، نورالانوار، ص۲۸۰

(۴۲) احمد بن حنبل: المسند، دکن: دائرۃ المعارف، ۱۳۴۰ھ، ۴/۲۸۳

(۴۳) بحوالہ گیلانی، حوالہ مذکور ص٦۷

(۴۴) آلوسی، محمد آفندی، سید، روح المعانی فی تفسیر القرآن العظیم والسبع المثانی، داراحیاء التراث الاسلامیہ، بیروت، دوسرا ایڈیشن، ۱۸/۷۹

(۴۵) ابن کثیر، ۳/۳۱۹ (المکتبۃ الشاملۃ)

(۴٦) السیوطی: الاتقان، ۲/٦۲

(۴۷) گیلانی: حوالہ مذکور، ص٦۷

(۴۸) ایضا

(۴۹) ایضا

(۵۰) ایضا

(۵۱) ایضا

(۵۲) علی، نقی، مقدمہ تفسیر القرآن، ص:۸۵

(۵۳) گیلانی، حوالہ مذکور